فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَ لُوْمُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اپنے آپ کو ملامت کرو مجھے تم پر کوئی اختیار
حاصل نہیں تھا میں نے تمہیں ایک دعوت دی ایک بات کی طرف بلایا۔ اب یہ تمہارا اپنا
فیصلہ ہے کہ تم نے میری دعوت پر لبیک کہا۔ لہٰذا اب اپنے اس طرز عمل کی سزا
خود بھگتو۔

اس سورہ میں انبیاء و رسل کے حالات و واقعات کے ضمن میں حضرت ابراہیم
علیہ السلام کا ذکر بھی ہے لیکن یہ کہ تفصیل کے ساتھ جو ذکر آیا ہے وہ حضرت لوط اور
ان کی قوم کا اور پھر حضرت شعیب کی قوم کا بھی ذکر آیا ہے جنہیں یہاں اصحاب الایکہ
کہا گیا۔

© rasailojaraid.com

معلوم ہوتا ہے جہاں ان کی قوم آباد تھی یعنی مدین، اس علاقے میں کثرت سے
جنگلات ہوں گے اور پھر بہت ہی برسبیل تذکرہ ذکر آیا ہے۔ قوم ثمود کا جنہیں یہاں
اصحاب الحجر کہا گیا ہے ان تینوں اقوام کا معاملہ یہ ہے کہ ان کے مسکن اس عظیم تجارتی شاہراہ
پر واقع تھے جنہیں اس سورہ میں قرآن مجید "امام مبین" کہہ رہا ہے یعنی وہ کھلا راستہ
کہ عرب سے شام کی طرف جانے والے تجارتی قافلے جس شاہراہ سے گزرتے تھے اس
میں سب سے پہلے قوم ثمود کے مسکن اور ان کے کھنڈرات آتے تھے اس سے ذرا اور
شمال کی طرف بڑھتے تھے تو مدین کا علاقہ آتا تھا جہاں قوم شعیب آباد تھی اس سے بھی
ذرا اور شمال کی طرف بحیرہ مردار یعنی DEAD SEA کے کنارے پر وہ شہر آباد تھے
جہاں وہ قوم آباد تھی جن کی طرف حضرت لوط علیہ السلام کو بھیجا گیا لہٰذا اس ترتیب سے اس
سورہ میں ان اقوام کا ذکر ہے۔

اس سورہ کا آخری رکوع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک بڑے مفصل خطاب
پر مشتمل ہے اسمیں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو ہدایات دی گئیں اگر ان کو شمار کیا جائے
تو اولین اور اہم ترین یہ کہ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْلَ۔ یعنی اے نبی آپؐ استہزاء کا فکر
نہ کیجیے، اس تمسخر کا، اس مذاق کا کوئی نوٹس نہ لیجیے آپؐ ان لوگوں کو نظر انداز کر دیں
اور چشم پوشی سے کام لیں اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَهْزِءِیْنَ ہم کافی ہیں آپؐ کی طرف سے

© rasailojaraid.com

دفاع کے لیے اور مدافعت کے لیے۔ دوسرا حکم یہ ہوا کہ اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ ہم نے اپنی سب سے بڑی نعمت آپ کو عطا فرما دی ہے جس سے بڑی دولت کا کوئی تصور ممکن نہیں

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ

"اور اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپؐ کو سات دی ہیں دہرائی جانے والیاں اور قرآن عظیم عطا فرمایا ہے" یہ سات دوہرائی جانے والیاں سورۂ فاتحہ کی آیات ہیں جن کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان جیسی آیات نہ تورات میں نازل ہوئیں نہ انجیل میں اور نہ ہی ان کی کوئی نظیر قرآن مجید میں موجود ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام و احسان ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔ اور آپؐ کی وساطت سے آپؐ کی امت کو اتنی بڑی دولت عطا فرمائی گئی بس کے حوالے سے اگلی ہدایت یہ دی گئی کہ اس دنیا میں ہم نے کچھ لوگوں کو عارضی دولت سے یعنی کچھ مال و اسباب دنیاوی سے نوازا ہے آپؐ کی نگاہیں ہرگز ان کی طرف اٹھنی نہیں چاہئیں۔

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ

یہ مضمون سورۂ طٰہٰ میں بھی آچکا ہے جہاں یہ الفاظ مزید آئے تھے۔ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ دنیاوی زندگی کی چمک دمک ہے اس کی چہل پہل ہے لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ اور اس سے تو درحقیقت ہم نے انہیں فتنے میں مبتلا کیا ہے ہم انہیں آزما رہے ہیں یہاں فرمایا گیا

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

اے نبی! اہل ایمان کے سامنے اپنے شانے جھکا کر رکھئے۔ آپؐ کی شفقت اور مودت و رحمت کے اصل حقدار وہی ہیں کہ جنہوں نے آپؐ کی دعوت پر لبیک کہا ایک اور حکم دیا گیا فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ اے نبی! اب آپؐ کی دعوت کا وہ دور شروع ہو جانا چاہیے کہ آپؐ ڈنکے کی چوٹ کہیں علی الاعلان کہیں کہ جس کا آپؐ کو حکم ہوا ہے۔ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسی حکم کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا پہلا خطاب عام فرمایا کوہ صفا پر چڑھ کر جس کو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہاڑی کا وعظ (SERMON OF THE MOUNT) قرار

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

مولانا اخلاق حسین قاسمی
مہتمم جامعہ رحیمیہ (دہلی)

قرآن کریم کا نظامِ عدل

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ (النحل : ۹۰)

یہ آیت قرآن کریم کی وہ جامع آیت ہے جسے خطیبِ جمعہ ہر خطبۂ جمعہ میں تلاوت کرتا ہے۔ عبداللہ ابنِ مسعودؓ فرماتے ہیں، یہ آیت قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے۔ اس آیت کے چھ لفظوں میں شریعت کے تمام اوامر و نواہی، بُرائی اور بھلائی، خیر و شر کے پورے نظام کو اللہ تعالےٰ نے سمو کر اپنے بندوں کو عطا کر دیا ہے۔

ان چھ لفظوں میں بھی دو لفظ تشریحی ہیں، اس لیے صرف چار لفظ اصل مقصد کو بیان کر رہے ہیں۔

عدل کا لفظ نیکی اور بھلائی کی بہترین تعبیر ہے، ایک لفظ میں اگر فکر و عمل کی تمام بھلائیوں کو ظاہر کیا جائے تو اس کے لیے عدل سے بہتر کوئی دوسرا لفظ موجود نہیں ہے۔ عدل کے معنی انصاف — انصاف اپنے ساتھ، انصاف خدا کی تمام مخلوق کے ساتھ — یہی مذہبِ حق کی تعلیمات کا حاصل ہے۔

حضرت ابنِ عباسؓ نے عدل کی تفسیر میں کلمہ توحید — لا الٰہ الّا اللہ۔ فرمایا، یہ عدل کا پہلا فکری اور ذہنی مفہوم ہے صرف خدائے واحد کے آگے سر جھکانا، اسی کو تمام صفات و کمالات کا مالک، منبع و سرچشمہ تسلیم کرنا اپنے ساتھ انصاف کرنا ہے۔ اور اپنے ساتھ یہ سب سے بڑی بے انصافی ہے کہ اشرف المخلوقات،

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اعلیٰ اور افضل ہستی ہوتے ہوئے اپنے سے پست اور ادنیٰ مخلوق کے آگے سر جھکائے یہ انسانی شرف و فضل کی سخت توہین ہے اور انسان کا اپنے اوپر سب سے بڑا ظلم ہے اسی لیے قرآن نے شرک کو ظلمِ عظیم قرار دیا ہے۔

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ (لقمان ۱۳)

پھر عملی زندگی میں عدل اور اعتدال کی راہ اختیار کرنا، عدل کی ضد بے اعتدالی ہے بے اعتدالی کے کاموں میں پڑنا، مالک الملک کی عبادت اور اپنے نفس کی خواہشات، خدا کے حقوق اور بندوں کے حقوق دونوں کا درجہ بدرجہ خیال رکھنا — یہی عملِ صالح ہے اور اسی کا نام بندگی ہے۔

© rasailojaraid.com

پس عدل کا لفظ عقیدہ اور عمل و اخلاق کی تمام بھلائیوں پر حاوی اور جامع ہے

احسان — حسن سے ہے یعنی خوبی اور خوب صورتی — یہ کمالِ عدل کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نیکی کی جائے اور خوب صورتی اور حسن کے ساتھ کی جائے۔

انسان نیکی کرے لیکن اسے حسن و خوبی کے ساتھ نہ کرے تو یہ اس کی بے وقوفی ہے اور نیکی اور بھلائی کا حسن، — اخلاص ہے، یعنی جو نیک کام کرے وہ بے لوث ہو کر کرے بے غرض ہو کر انجام دے — صرف اپنے مالک کی رضا مندی کو مقصد بنائے۔ اسی لیے حدیث میں احسان کی آخری منزل اور اخلاص کے آخری درجہ کی وضاحت کرتے ہوئے حدیث جبریل میں یہ بتایا گیا ہے:

اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ
تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ (مشکوٰۃ - کتاب الایمان)

یعنی عبادت اور نیکی اپنے باطن اور اپنے دل کو ہر قسم کی دنیوی غرض سے اس طرح پاک صاف کر کے انجام دے کہ اپنے شفاف دل کے آئینہ میں اسے تصویر یار نظر آئے۔

رضا حق کی طلب و اشتیاق اتنا شدید ہو کہ اسے جلوۂ حق نظر آنے لگے۔

تجربہ بتا رہا ہے کہ انسان جب کوئی کام پوری توجہ اور پورے انہماک و اشتیاق کے ساتھ کرتا ہے تو اس کی تمام ذہنی اور قلبی قوتیں — قوۃ باصرہ، قوہ سامعہ اور

© rasailojaraid.com

تو وہ فکر یہ اس فعل کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں، کوئی آواز دیتا ہے تو وہ اسے نہیں سن پاتا۔ اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے سامنے سے کون گذر گیا، کون آیا اور کون گیا، یہی کیفیت ہر عملِ خیر اور عبادت کے وقت انسان پر طاری ہو جائے تو وہ حسنِ عمل ہے۔ قرآن کریم نے نیکی کے اسی درجہ کو خدا کی محبت کا مستحق قرار دیا ہے۔

وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (البقرہ : ۱۹۵)

اللہ تعالےٰ حسنِ عمل اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے — تم حسنِ عمل کی زندگی اختیار کرو۔

ایتاءِ ذی القربیٰ — یہ عدل و نیکی کی ایک اہم قسم ہے۔ قرآن کریم نے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی نیکی کو خاص طور پر اس لیے بیان کیا کہ مشرکینِ عرب اسلام قبول کرنے کے جرم میں اپنے رشتہ داروں کی رشتہ داری اور خون کے تعلق کو بھی فراموش کر رہے تھے اور اختلافِ رائے کی بنا پر خون کے رشتوں کو توڑ رہے تھے۔ اسی کی طرف آیت ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی

(شوریٰ آیت ۲۳)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فرما دیں کہ میں تم سے اپنی تعلیم و تبلیغ کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم آپس کی رشتہ داریوں کا احترام کرو، اسلام قبول کرنے کے جرم میں اپنے بھائی بندوں پر ظلم نہ کرو۔ عدل و نیکی کے عام حکم کے ساتھ ایک خاص نیکی کا تذکرہ مخاطب گروہ کے لحاظ سے تھا۔

الفحشاء، المنکر، البغی — برائی اور معصیت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ گناہ جن کا تعلق باطن سے ہے جنہیں اخلاقِ رذیلہ کہا جاتا ہے۔ حسد، بغض، حرص، اور تکبر وغیرہ — الفحشاء سے یہی برائی مراد ہیں۔

دوسری قسم میں وہ گناہ جن کا تعلق اعضاء و جوارح سے ہے۔ چوری، قتل، [illegible] وغیرہ اور فرائضِ دین کا ترک — یہ سب گناہ منکرات میں داخل ہیں۔

ایک معصیت بہت شدید ہے جس کا تعلق باطن اور ظاہر دونوں سے ہے [illegible]

© rasailojaraid.com

حق تلفی کا گناہ ہے۔ اسے قرآن نے البغی (زیادتی) سے تعبیر کیا ہے۔

یہ آیت کریمہ قرآنی بلاغت کا بہترین نمونہ ہے۔ اہل زبان اس بلیغ آیت کو سُن کر ششدر رہ جاتے تھے اور ان کی زبان سے بے ساختہ قرآن حکیم کی معجزانہ بلاغت کا اعتراف نکل جاتا تھا۔

حضرت عثمان ابن منطعون رضؓ نے اس آیت کے نزول آسمانی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

رسول پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم صحن مکان میں تشریف فرما تھے کہ سامنے سے عثمان رضؓ گذرے، آپؐ نے انہیں بٹھالیا اور ان کے ساتھ بات چیت میں مشغول ہو گئے۔ اسی اثنا میں نزول وحی کے آثار شروع ہو گئے۔ کبھی آپؐ نے آسمان کی طرف نظریں بلند کیں اور کبھی اپنی دائیں جانب متوجہ ہو کر کسی ان دیکھی ہستی سے سر ہلا ہلا کر کچھ سمجھنا شروع کر دیا۔

یہ کیفیت دُور ہو گئی۔ عثمان رضؓ نے پوچھا، اے محمدؐ! یہ کیا کیفیت تھی جو میں نے دیکھی، آپؐ نے فرمایا مَا رَأَیْتَنِیْ مَا فَعَلْتُ؟ — کیا واقعی اے عثمان! تم نے سب کچھ دیکھا؟ — عثمان رضؓ بولے، جی ہاں، دیکھا! یہ اس وقت تک ایمان سے محروم تھے۔ آپؐ نے فرمایا: اَتَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ آنِفًا وَاَنْتَ جَالِسٌ، قَالَ فَمَا قَالَ لَکَ؟ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ الخ

میرے خدا تعالیٰ کا قاصد آیا تھا، تمہاری موجودگی میں، عثمان بولے، وہ کیا کہہ گئے؟ — فرمایا — یہ آیت کریمہ خدا کی طرف سے مجھ پر نازل کر گئے ہیں۔

عثمان رضؓ فرماتے ہیں: فَذَالِکَ حِیْنَ اسْتَقَرَّ الْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِیْ وَاَحْبَبْتُ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ — اس وقت میرے دل میں ایمان پیوست ہو گیا اور میں حضورؐ سے محبت کرنے لگا۔

حضرت عثمان نے باہر آکر یہ آیت کریمہ قریش کے سردار ولید بن عتبہ کو سنائی، عتبہ کی زبان پر بے ساختہ یہ اقرار جاری ہو گیا۔

قبیلہ بنی صیف کے سردار اکثم ابن صیفی کے دو قاصد حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

© rasailojaraid.com

فَقَالَا نَحْنُ رُسُلُ اَکْثَمَ ابْنِ صَیْفِیٍّ وَھُوَ یَسْئَالُکَ مَنْ اَنْتَ؟ وَمَا اَنْتَ؟

فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ — اَمَّا مَنْ اَنَا فَاَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰہِ وَاَمَّا مَا اَنَا فَاَنَا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ —

میرے منصب کا تعارف یہ ہے کہ میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

پھر آپ نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔ قاصدوں نے بار بار درخواست کر کے یہ آیت سُنی اور اسے یاد کر لیا۔

واپس آکر اپنے سردار کو ساری رپورٹ دی جس کا پہلا فقرہ یہ تھا:

اِنَّہٗ اَبٰی اَنْ یَّرْفَعَ نَسَبَہٗ فَسَاَلْنَا عَنْ نَسَبِہٖ فَوَجَدْنَاہُ زَاکِیَ النَّسَبِ وَسَطًا فِیْ مُضَرَ۔

© rasailojaraid.com

محمد ﷺ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اپنے خاندان اور حسب و نسب پر کوئی فخر نہیں کیا، ہم نے لوگوں سے ان کے خاندان کے متعلق سوال کیا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ اعلیٰ نسب کے مالک ہیں، پاکیزہ نسب رکھتے ہیں اور خاندان مضر کی بہترین شاخ (بنی ہاشم) کے فرد ہیں۔

پھر ان قاصدوں نے وہ آیت کریمہ تلاوت کی۔ اکثم نے یہ ساری رپورٹ سُن کر کہا:

اِنِّیْ اَرَاہُ یَاْمُرُ بِمَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَیَنْھٰی عَنْ مَلَائِمِھَا فَکُوْنُوْا فِیْ ھٰذَا الْاَمْرِ رُءُوْسًا وَلَا تَکُوْنُوْا اَذْنَابًا۔

میں سمجھتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں، پس اے میری قوم!

وَاللّٰہِ اِنَّ لَہٗ لَحَلَاوَۃً وَاِنَّ عَلَیْہِ لَطَلَاوَۃً وَاِنَّ اَعْلَاہُ لَمُثْمِرٌ وَاِنَّ اَسْفَلَہٗ لَمُغْدِقٌ وَمَا ھُوَ قَوْلُ الْبَشَرِ۔

بخدا! یہ بے حد شیریں کلام ہے، یہ بڑا تر و تازہ ہے۔ اس کا اوپر کا حصہ بھی پھل دار ہے اور اس کا نچلا حصہ بھی پھل دار ہے۔

قبیلہ بنی صیف کے سردار اکثم بن صیفی نے اپنے دو قاصد حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجے تاکہ وہ ان کے پیغام کو سمجھیں۔

© rasailojaraid.com

ان قاصدوں نے حاضرِ خدمت ہو کر حضورؐ سے سوال کیا۔

نَحْنُ رُسُلُ اَکْثَمَ ابْنِ صَیْفِیٍّ وَھُوَ یَسْاَلُکَ مَنْ اَنْتَ ؟ — وَمَا اَنْتَ ؟

ہمارے سردار سوال کرتے ہیں کہ آپ کون ہیں ؟ اور آپ کیا ہیں :

پہلا سوال شخصی تعارف کے لیے تھا اور دوسرا سوال آپؐ کے منصب اور عہدہ کی تحقیق سے متعلق تھا۔ آپؐ نے فرمایا :

اَمَّا مَنْ اَنَا ، فَاَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰہِ — وَاَمَّا مَا اَنَا فَاَنَا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ — میری شخصی حیثیت یہ ہے کہ میں عبداللہ کا لڑکا محمدؐ ہوں۔ تم لوگ ان پر ایمان لانے میں جلدی کرو، اس اہم کام میں سبقت حاصل کر کے اونچے ہو جاؤ، پیچھے نہ رہو۔

یہ آیت آپؐ سے جسے سُن کر حضرت ابوذر غفاری ایمان لے آئے —
ابوذر اپنے قبیلے کے بڑے سردار تھے اور یہ قبیلہ ڈکیتی کرنے میں مشہور تھا۔ ان کے بھائی انیس نے جا کر ابوذر کو رپورٹ دیتے ہوئے کہا تھا :

محمدؐ اپنے لیے کچھ نہیں کہتے، وہ صحنِ حرم میں بیٹھ کر لوگوں کو اخلاقِ حمیدہ کا درس دیتے ہیں۔

اس آیت کے اس اسلوب نے آیت کے اثر کو زیادہ بڑھا دیا ہے کہ شروع میں کہا۔
اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ — اور آخر میں کہا — یَعِظُکُمْ — خدا حکم دیتا ہے۔ وہی نصیحت کرتا ہے، میں تو اس کے حکم اور اس کے پیغام کا داعی اور مبلغ ہوں۔ امر و نصیحت کا حق اسی کو حاصل ہے، نہ اس سے بڑا کوئی حکمران ہے جو حکم دینے کا حق رکھتا ہو اور نہ اس سے زیادہ اپنے بندوں کا کوئی خیر خواہ ہے جو انہیں اچھی نصیحت کرے۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۵۸۳)

عدل اور قانونِ فطرت

قرآن حکیم نے قوانینِ فطرت کو عدل و میزان سے تعبیر کیا ہے اور انسانوں کو بار بار کائنات ہستی میں کارفرما عدل و توازن کی طرف توجہ دلائی ہے۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۔ (الرحمٰن : ۶)

© rasailojaraid.co

رحمت والے خالق نے آسمان کو بلندی عطا کی اور اس میں عدل و توازن قائم کیا۔
اس کارخانہ ہستی کا مشاہدہ بتاتا ہے کہ اس کے ہر شعبہ میں بناؤ، سلجھاؤ، خوبی و رعنائی کا جو دلفریب منظر نظر آتا ہے وہ اسی عدل و توازن اور تناسب و تعادل کا کرشمہ ہے۔
نظام شمسی کا ہر کرہ اپنی اپنی جگہ گردش میں ہے۔ اور اپنے اپنے مقررہ دائروں میں حرکت کر رہا ہے۔ ہر کرہ اپنی ایک خاص کشش رکھتا ہے اور اسی جذب و کشش کے تناسب و توازن سے یہ نظام قائم و جاری ہے۔ اگر کوئی کرہ اس قانونِ عدل سے ذرہ برابر تجاوز کرے تو تمام نظام شمسی درہم برہم ہو جائے۔
یہ قانون عدل و اعتدال ہی وہ نظر نہ آنے والا ستون ہے جس پر یہ آسمان قائم ہیں خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا۔ (لقمان - ۹) "اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے، تم اس حقیقت کو دیکھ رہے ہو"، آسمان کی بلندی کے ساتھ ترازو کا قائم کرنا، نادان لوگوں کو بے جوڑ معلوم ہوتا ہے، وہ اسے قرآن حکیم کے بے ربط اور بے جوڑ کلام ہونے کے استدلال میں پیش کرتے ہیں لیکن یہ قرآن کریم کے سطحی مطالعہ کا نتیجہ ہے۔
قرآن کریم اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔ یہاں المیزان سے معروف ترازو مراد نہیں ہے، بلکہ قانونِ عدل مراد ہے، ترازو تولنے اور انصاف کرنے کا مشہور و معلوم آلہ اور ذریعہ ہے، قرآن کریم المیزان بول کر توازن و تناسب کے فطری قوانین کی طرف اشارہ کرتا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ ارباب تراجم میں آخری دور کے دو مترجم صاحبان نے المیزان کا ترجمہ نہیں کیا، المیزان قائم کیا، ترجمہ کیا ہے۔ یہ دو مترجم مولانا ابوالکلام اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ہیں۔
ان حضرات کے سامنے قرآنی معارف کے ساتھ ساتھ قرآن کریم پر کیے جانے والے اعتراضات بھی تھے۔
اردو کے مشہور دین بے زار ادیب نیاز فتحپوری کا یہ مشن رہا ہے کہ وہ قرآن کریم کو کلامِ رسول قرار دیتے تھے کلام اللہ تسلیم کرنے سے انہیں انکار تھا۔
نیاز صاحب کے عامیانہ اعتراضات میں یہ اعتراض بھی شامل تھا کہ آسمان کی رفعت

© rasailojaraid.com

اور نزاز در رکھنے کا باہمی کیا جوڑ ہے — یہ کلام الٰہی کیسے ہو سکتا ہے؟ قرآن ایک مقفیٰ اور مسجع کلام ہے جسے رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اعلیٰ عربی ادب میں مرتب کیا (معاذ اللہ)۔

ایک باکمال شاعر بھی وزن شعری کو برقرار رکھنے کے لیے بعض اوقات کمزور الفاظ رکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے جس طرح غالب ایک باکمال شاعر تھا وہ کہتا ہے ؎

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب
یار لائے میری بالیں پہ اسے پر کس وقت

بقول نیاز صاحب۔ قرآن کریم کے مرتب و مؤلف بھی الرحمان — کا قافیہ قائم رکھنے کی خاطر قرآن کے ساتھ ان کے ساتھ المیزان لائے، غالب بھی کھولنے کے فصیح لفظ کو چھوڑ کر مند گئیں کا غیر فصیح لفظ لانے پر مجبور ہوئے۔

قرآن کریم کے بارے میں اس طرح کے خیالات مغرب کے بعض کم نظر ناقدین نے قائم کیے۔ اور پھر ہندوستان کے ان کم نظر نقالوں نے انہیں دہرایا۔ ان کا مقصد محض سستی شہرت حاصل کرنا تھا۔

قرآن کریم نے کتاب کے ساتھ میزان قائم کرنے کا ذکر دو مقام پر کیا:

الحدید (۲۵) میں کہا گیا:

وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

ہم نے ان رسولوں کے ساتھ الکتاب اور المیزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف قائم کریں۔

الشوریٰ (۱۷) میں کہا گیا:

اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ۔

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے کتاب اور میزان نازل کی انصاف قائم کرنے کے لیے۔

امام مجاہد اور قتادہ آیت شوریٰ میں المیزان کی تفسیر العدل والانصاف سے کر رہے ہیں اور اس تفسیر کے استدلال میں الحدید اور الرحمان کی مذکورہ آیات پیش کر رہے ہیں۔ (ابن کثیر ج ۴ ص ۱۱۰)

المیزان کا لفظ جہاں پورا تولنے اور پورا ناپنے کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

وہاں اس کے معنی ترازو کے ہیں۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے المیزان کے مفہوم کو عام رکھتے ہوئے حسب ذیل تشریح کی ہے:

اللہ نے مادی ترازو بھی اتاری جس میں اجسام تلتے ہیں اور علمی ترازو بھی جسے عقلِ سلیم کہتے ہیں اور اخلاقی ترازو بھی جسے صفتِ عدل و انصاف کہا جاتا ہے اور سب سے بڑی ترازو دینِ حق ہے جو خالق و مخلوق کے حقوق کا ٹھیک ٹھیک تصفیہ کرتا ہے اور جس میں بات پوری تلتی ہے، نہ کم نہ زیادہ (حمائل ۶۲۹)

قرآن حکیم نے جمالِ فطرت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ موزونیت اور تناسب کا اظہار ہے۔

وَاَنْبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ (الحجر ۱۹)

اور ہم نے زمین پر ہر ایک چیز نہایت موزونیت کے ساتھ اگائی۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا ترجمانِ فطرت قلم اس طرح گوہر افشانی کرتا ہے۔

"زمین میں جتنی نباتات اُگتی ہیں سب کے لیے حکمتِ الٰہی نے ایک خاص اندازہ ٹھہرا دیا ہے، ہر چیز اپنی نوعیت، اپنی کمیت، اپنی کیفیت میں ایک جچی تلی حالت رکھتی ہے جس سے کبھی باہر نہیں جا سکتی، ممکن نہیں کہ گھانس کی ایک شاخ بھی ایسی اُگ آئے جو گھانس کے مقررہ اندازہ اور تناسب کے خلاف ہو۔ گویا مٹی کے ایک ایک ذرہ میں ایک ایک ترازو رکھ دیا گیا ہو اور وہ ایک ایک دانے، ایک ایک پتے، ایک ایک پھول کو تول تول کر بانٹ رہا ہو ممکن نہیں کہ اس تول میں کبھی خرابی پڑے"

(ترجمان جلد ۲ صـ ۳۰۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامِ عدل کو اپنی زندگی کا مشن قرار دیتے ہوئے فرمایا: وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ (الشوریٰ) میں اس بات پر مامور ہوں کہ تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔

اس حکم سے پہلے حضورؐ کو حکمِ الٰہی پر استقامت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔

وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ۔

© rasailojaraid.co

اے نبی! تم ان کی خواہشات پر نہ چلنا اور حکمِ الٰہی کی تعمیل پر استقامت اختیار کرنا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اس آیت کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:

"مجھے اس طرح کی آیات نے بوڑھا کر دیا۔"

قرآن سماجی عدل کی اہمیت واضح کرنے کے لیے (الانعام ۶: ۵۲) میں رسول اکرم علیہ السلام کو خطاب کرکے کہتا ہے:

فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظّٰلِمِينَ

اے محمدؐ! سرداران قریش کی خواہش پر اگر آپ نے فقراء و مہاجرین کو اپنی مجلس سے اٹھایا تو آپ ظالموں میں شمار ہوں گے۔

سرداران قریش اپنے آزاد شدہ غلاموں بلال، صہیب اور عمار جیسے نادار مسلمانوں کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھنے کو معیوب سمجھتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ اگر ہمیں قرآن کریم سنانے کے لیے بلانا ہے تو اے محمدؐ آپ ان حقیر مسلمانوں کو مجلس سے اٹھا دیا کریں۔

خدا تعالیٰ نے اس سماجی اونچ نیچ کے تصور کو عدل کے خلاف قرار دے کر حضورؐ کو ظلم کا ارتکاب کرنے سے روک دیا۔

معاشی اور اقتصادی عدل کے قیام کی اہمیت واضح کرتے ہوئے قرآن حکیم نے کہا:

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ
فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي وَمَنْ يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي
فَقَدْ هَوَىٰ ۔ (طٰہٰ: ۸۱)

لوگو! خدا تعالیٰ کی پاکیزہ روزی میں سے کھاؤ اور پیو، اور اس میں زیادتی نہ کرو، اگر تم نے ایسا کیا تو تم پر میرا غضب نازل ہو جائے گا، اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ تباہ ہوا۔

عدل کی ضد جس طرح ظلم ہے اسی طرح طغیان ہے۔ ظلم کے معنی کسی چیز کو بے محل رکھ دینا اور طغیان کے معنی کسی چیز کا اپنی مناسب حد سے آگے بڑھ جانا

© rasailojaraid.com